السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میں نے سنا تھا کہ کافروں کے خلاف قتال کرنے کے لیے خلیفہ یا حکمران کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر قتال نہیں کیا جاسکتا، کیا یہ صحیح ہے۔؟ اگر ہاں تو کیا اسامہ بن لادن پر یہ ضروری نہیں تھا۔؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

جب دشمن مسلمانوں پر حملہ آور ہوجائے تو اس حالت میں ہر مسلمان شخص پر قتال اور لڑائی کرنا فرض ہوجاتا ہے، اور اس وقت امام المسلمین کی اجازت حاصل کرنے کی شرط نہیں۔

رہا وہ جہاد جس کا مقصد فتوحات میں وسعت دینا، اور کفار کو اسلام کی دعوت دینا، اور جو اللہ تعالی کے حکم کے سامنے سر خم تسلیم نہ کرے اس کے خلاف لڑنا، تو اس کے لیے امام المسلمین کی اجازت حاصل کرنا شرط ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"اور جہاد کا معاملہ امام المسلمین اور اس کے اجتہاد کے سپرد ہے، اور اس سلسلے میں رعایا کے لیے امام المسلمین کی رائے پر عمل کرنا لازم ہے" انتہی۔

دیکھیں : المغنی (368/10)۔

اور امام المسلمین کی اجازت افراتفری پیدا کرنے میں مانع ہے، جس کا اللہ کے دشمنوں کی اور مسلمانوں کی قوت اور امور کو مد نظر رکھے بغیر بعض مسلمانوں کا کفار کے خلاف اعلان جہاد کرنے سے پیدا ہونا ممکن ہے۔

مستقل فتوی کمیٹی کے علماء کرام کا کہنا ہے :

اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی حمایت، اور دین کی نشر و تبلیغ اور اس کی حدود اور حرمات کی حفاظت کے لیے جہاد کرنا ہر اس شخص پر فرض ہے جو ایسا کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو۔ لیکن افراتفری اور بد نظمی کے خوف سے بچنے کے لیے جس کا انجام اچھا نہ ہو لشکر روانہ کرنا ضروری ہیں؛ اسی لیے اس کے شروع ہونے اور اس میں داخل ہونے کے لیے مسلمانوں کے ولی الامر کا عمل دخل ہے، تو علماء کرام اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ تو جب جہاد شروع ہو اور مسلمانوں کو اس کے لیے نکلنے کا کہا جائے تو جو شخص بھی اس پر قادر ہو اور اس کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ خالصتا اللہ تعالی کی رضا اور حق کی مدد و نصرت اور دین اسلام کی حمایت و بچاؤ کے لیے اس دعوت کو قبول کرے، اور جو شخص بھی ضرورت ہونے کے باوجود بغیر کسی عذر جہاد سے پیچھے رہا وہ گنہگار ہوگا" انتہی۔

دیکھیں : فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء (12/12)۔

اور لوگوں کا امام المسلمین کی جانب سے اکٹھا ہونا ان کی وقوت و طاقت میں اضافہ کریگا، اس پر مستزاد یہ کہ ان کا امام المسلمین کی ہر اس کام میں اطاعت کا التزام کرنا جو شریعت کے مخالف نہ ہو شرعی واجب ہے، اس سے مسلمان مجاہدین کی صفوف میں وحدت پیدا ہوگی اور وہ سب مل کر دین حنیف اور اللہ کی شریعت کی مدد و حمایت کرینگے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"یہ جاننا ضروری ہے کہ لوگوں کا ولی الامر بننا عظیم دینی واجبات میں شامل ہوتا ہے، بلکہ اس کے بغیر نہ تو دین اور نہ دنیا قائم ہو سکتی ہے کیونکہ بنی آدم کی مصلحتیں اور ضروریات لوگوں کے اجتماع کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور اجتماع کے لیے کسی بڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

"جب تین اشخاص سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنا لیں"

اسے ابو داود رحمہ اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے

اور امام احمد رحمہ اللہ مسند احمد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کوئی تین اشخاص زمین کے کسی بھی حصہ میں ہوں تو ان کے لیے حلال نہیں مگر وہ اپنے اوپر کسی ایک کو امیر مقرر کر لیں"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جیسی ضرورت میں بھی جو کہ ایک قلیل سا اجتماع ہے میں امیر بنانا واجب کیا ہے جو کہ باقی سب اجتماعات پر تنبیہ ہے؛ اوراس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام واجب کیا ہے، اور یہ کام قوت وطاقت اورامارت کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔

تواسی طرح جہاد، عدل وانصاف، حج کرنا، جمعہ اور عیدوں کی ادائیگی، اور مظلوم کی نصرت ومدد، حدود کا نفاذ جیسے وہ سب امور جو اللہ تعالی نے فرض اور واجب کیے ہیں، یہ سب قوت وطاقت اور امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔

اسی لیے روایت کی گئی ہے کہ:

"حکمران اور سلطان زمین میں اللہ کا سایہ ہے"

اور کہا جاتا ہے:

"ظالم حکمران کے ساتھ ساٹھ برس حکمران کے بغیر ایک رات سے بہتر ہیں" اور تجربہ اسے بیان کرتا ہے" انتہی۔ دیکھیں: مجموع الفتاوی ابن تیمیہ (28/390-391)۔

اور شیخ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"کسی بھی لشکر کے لیے امام المسلمین کی اجازت کے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں، چاہے معاملہ جیسا بھی ہو؛ کیونکہ جنہیں جنگ کرنے اور جہاد کرنا مخاطب کیا گیا ہے وہ ولی الامر اور حکمران ہیں، نہ کہ افراد، لوگوں میں سے افراد اہل حل و عقد کے تابع ہیں، اس لیے کسی کے لیے بھی امام المسلمین کی اجازت کے بغیر جنگ اور جہاد کرنا جائز نہیں، لیکن اگر دفاع کا معاملہ ہو تو پھر اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، جب دشمن اچانک حملہ آور ہو اور انہیں اس کے شر کا خدشہ ہو تو اس وقت وہ اپنا دفاع کرتے ہوئے دشمن سے لڑ سکتے ہیں، کیونکہ اس وقت لڑائی کرنا متعین ہو چکی ہے۔''

یہ اس لیے جائز نہیں کہ امر امام کے ساتھ معلق ہے، تو امام المسلمین کی اجازت کے بغیر جنگ اور غزوہ کرنا اس کی حدود سے تجاوز اور اس پر انتشار ہے، اور اس لیے بھی کہ اگر لوگوں کے لیے امام المسلمین کی اجازت کے بغیر جہاد اور جنگ کرنی جائز ہوتی تو معاملہ افراتفری کا شکار ہو جاتا، جو چاہتا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرنے نکل جاتا، اور اس لیے بھی کہ اگر لوگوں کے لیے ایسا ممکن ہو جائے تو عظیم فساد کھڑا ہو جائیگا، تو کچھ لوگ تیاری شروع کر دیں کہ وہ دشمن کے خلاف جنگ کی تیار کر رہے ہیں، اور وہ امام المسلمین کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، یا پھر لوگوں میں سے کسی گروہ پر بغاوت اور ظلم کرنا چاہتے ہوں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے مابین صلح کروا دو الحجرات (9).

ان تین امور اور اس کے علاوہ دوسرے امور کی بنا پر بھی امام المسلمین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں ہے" انتہی۔

دیکھیں: الشرح الممتع (22/8).

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد 2 کتاب الصلوۃ